OPEN ACCESS
Al-Aẓvā الاضواء
ISSN 1995-7904 ;E 2415-0444
Volume 41, Issue, 65, 2026
www.aladwajournal.com

معاشیات کے ارتقاء میں مسلمانوں کا تاریخی و فکری کردار

The Historical and Intellectual Role of Muslims in the Evolution of Economics

Muhammad Ahmer Hussain, M.Phil Scholar
Departmant of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Lahore Faisalabad Campus

Muhammad Kashif Uzair, M.Phil Scholar
Departmant of Islamic Studies, The Superior University Lahore, Lahore Faisalabad Campus

KEYWORDS

Islamic Economics, Evolution of Economic Thought, Fiscal Jurisprudence, Social Justice, Ibn Khaldun's Prolegomena, Public Finance, Kitab al-Kharaj, Distributive Justice, Theory of Irtifaqat, Ethico-Economic Paradigm, Bait-ul-Mal, Abolition of Riba, Comparative Economic Systems

Date of Publication: 30-04-2026

Abstract

The history of economic science is often presented through a Eurocentric lens, frequently overlooking the profound intellectual contributions of Muslim scholars during the "Great Gap" of the Middle Ages. This research aims to reconstruct the historical trajectory of Islamic economic thought, asserting that the foundations of modern fiscal policy, social welfare, and distributive justice were meticulously laid by Muslim polymaths centuries before the European Enlightenment. The study posits that Islamic economics is not merely a collection of moral injunctions but a robust system derived from the ontological framework of the Qur'an and Sunnah, striking a unique equilibrium between material acquisition and spiritual purification. Through a rigorous thematic and chronological analysis, this paper evaluates the seminal works of classical jurists and thinkers. It examines Imam Abu Yusuf's *Kitab al-Kharaj* as a pioneering treatise on public finance and taxation, and explores Imam Al-Ghazali's synthesis of ethics and market behavior. A significant portion of the study is dedicated to Ibn Khaldun's *Muqaddimah*, analyzing his theories on labor value, population dynamics, and the stages of

economic development, which predate Adam Smith and David Ricardo. Furthermore, the research bridge the gap to the modern era by investigating Shah Waliullah's *Irtifaqat* (stages of socio-economic development) and Syed Abul A'la Maududi's critique of the dialectical materialism of Socialism and the inherent inequities of Capitalism. The findings conclude that the Muslim contribution to economics provides a vital alternative to the contemporary debt-based global financial order. By advocating for *Adl* (justice) and the eradication of *Riba* (usury), the Islamic economic tradition offers a sustainable model for social equity. This paper serves as a call for contemporary economists to integrate these classical insights with modern institutional frameworks to address the recurring crises of the global economy.

علمِ معاشیات کی تاریخ کا اگر غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ جدید معاشی نظریات کی بنیادیں ان مسلم مفکرین کے افکار میں پیوست ہیں جنہوں نے قرونِ وسطیٰ کے تاریک دور میں عدلِ اجتماعی اور فلاحِ انسانیت کا علم بلند کیا۔ زیرِ نظر مقالہ اس علمی خلا کو پُر کرنے کی ایک سعی ہے جو مغربی مفکرین کی جانب سے مسلم معاشی خدمات کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ مقالے کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت محض ایک خشک نظریاتی ڈھانچہ نہیں، بلکہ وحیِ الٰہی (قرآن و سنت) سے ماخوذ ایک ایسا ہمہ گیر نظام ہے جو مادیت اور روحانیت کے مابین حسین توازن پیدا کرتا ہے۔

مقالے میں تاریخی تسلسل کے ساتھ نامور مسلم عباقرہ کی خدمات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسف کی 'کتاب الخراج' میں مالیاتی نظم و ضبط اور ٹیکسیشن کے اصولوں سے لے کر، امام ماوردی کے اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی تقسیم، اور امام غزالی کے معاش و معاد کے مربوط فلسفے تک، ہر دور کے علمی ارتقاء کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ خصوصاً ابنِ خلدون کے 'مقدمہ' میں موجود عمرانی و معاشی قوانین کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ طلب و رسد، تقسیمِ محنت اور قدرِ زائد جیسے نظریات کارل مارکس اور ایڈم اسمتھ سے صدیوں پہلے اسلامی فکر کا حصہ بن چکے تھے۔ عہدِ حاضر کے تناظر میں شاہ ولی اللہ دہلوی کے نظریہ ارتفاقات اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اشتراکیت و سرمایہ داری کے مابین "تیسری راہ" (عدلِ اجتماعی) کی علمی جہتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ مقالہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ مسلمانوں کا معاشی کردار صرف تاریخی یادگار نہیں بلکہ موجودہ عالمی معاشی بحرانوں کا واحد پائیدار حل "اسلامی معاشی اصولوں" کی عصری تعبیر و تشریح میں پنہاں ہے۔ یہ مطالعہ اس ضرورت پر زور دیتا ہے کہ جدید بینکاری اور معاشی پالیسیوں کی تشکیل میں اس عظیم علمی ورثے سے استفادہ کیا جائے تاکہ ایک استحصال سے پاک معاشرہ تشکیل پا سکے۔

تاریخ انسانیت میں یہ منفرد مقام اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ سراپا علم بن کر آیا۔ اور تعلیمی میدان میں ایک ہمہ گیر

انقلاب کا پیامبر ثابت ہوا۔ اس کائنات میں انسان کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور ان کو چیزوں کا علم عطا کیا گیا۔ اس علمی روایت کو مسلمانوں نے فروغ دیا۔ ہر علم کو وسعت دے کر اپنے وقت کی ضرورت کے مطابق اس کو ڈھال دیا۔ آج کی جدید سائنس مسلمانوں کی مرہون منت ہے کہ یوروپ دور جہالت سے گزر رہا تھا تو مسلمان فزکس، کیمسٹری، بایولوجی، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ علوم میں ترقی کی بہت زیادہ منزلیں طے کر چکا تھا۔ ان علوم میں معاشیات کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اور بہت سے مسلم مفکرین نے علم معاشیات کی ترقی کے لئے بہت سا قابل قدر کام سرانجام دیا۔

یوروپ کا دور جاہلیت پانچویں صدی میں رومن امپائر کے سقوط سے لے کر پندرہویں صدی کے وسط تک محیط ہے۔ اس ایک ہزار سالہ دور کو مغربی مفکرین بھی تاریک دور کا نام دیتے ہیں۔ لیکن اس دور کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ مسلمانوں کے علمی کام کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں حالانکہ یہی وہ بنیاد تھی جس پر یوروپی اقوام نے تحقیق کے ذریعہ علوم کو آگے بڑھایا۔ اس ایک ہزار سالہ دور میں دیگر علوم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے علم معاشیات کو بھی وسعت دی۔ اور بہت سا علمی مواد اس دور میں مسلمانوں کے ہاتھ منصب شہود پر آیا اس دوران مسلمانوں کی عظیم سلطنت کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان مغرب میں اسپین اور مراکش اور ایشیاء کے جنوب مشرقی سواحل تک پھیلے ہوئے تھے اور لاکھوں مربع میل کے اس علاقہ میں ہر رنگ اور ہر نسل کے لوگ اسلام کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ اللہ پر ایمان نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیا۔ جو دوسرے لوگوں سے اپنے رہن سہن اور افکار و نظریات کے لحاظ سے مختلف تھے۔ مسلمانوں کے معاشی افکار کے تین ذرائع ہیں: قرآن اور حدیث رسول، قرآن کے بعد معرض وجود میں آنے والا اسلامی لٹریچر، وہ کتب اور مضامین جن میں معاشیات اور اس کے مضمون پر علیحدہ سے بحث کی گئی ہے۔

دراصل مندرجہ بالا ذرائع علم ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں اور اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں ایک دوسرے پر اثرانداز ہوتے رہے ہیں۔ ان تینوں میں سب سے زیادہ بنیادی اہمیت کا حامل ذریعہ قرآن مجید ہے۔

1. قرآن و حدیث:

قرآن پاک جہاں اپنے پیروکاروں کو روحانی، اخلاقی، سماجی و معاشرتی اقدار پر تفصیلی ہدایات دیتا ہے۔ وہیں معاشی خوشحالی اور انسانی معاشی رویوں کے بارے میں بھی ہدایات قرآن عطا کرتا ہے۔ معاشی خوشحالی کو پسندیدہ قرار دیتا ہے اور اسے اللہ تعالی کی خوشنودی سے تعبیر کرتا ہے۔ مثلا سورۃ الاعراف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے؛

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

اے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ نے جو زینت کے ساز و سامان اور کھانے پینے کی ستھری چیزیں پیدا کیں ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے۔ (1)

قرآن کا عمیق مطالعہ ہمارے سامنے درج ذیل نکات پیش کرتا ہے:

انسانی فلاح اور خوشحالی کے لئے تمام قدرتی ذرائع کو بروئے کار لانے کی ترغیب۔ لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی ضرورت پر زور۔ غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ کے اقدامات۔ مفاد عامہ کے کاموں پر زور اور ہر زی روح کے لئے ضروریات زندگی کی فراہمی

ان کے علاوہ درج ذیل اقدامات پر بھی قرآن پاک تفصیلی احکام دیتا ہے۔ جن کا مقصد ارتکاز دولت کا خاتمہ، دولت پرستی کا خاتمہ اور مفید معاشی رویوں کا ارتقاء ہے۔ تقسیم وراثت اور اس کے تفصیلی احکام۔ کمائی اور خرچ کے صحیح ذرائع کی وضاحت اور غلط طریقوں کی ممانعت۔ قرضوں کا لین دین۔ سود کی ممانعت۔ سونا چاندی اور دیگر قیمتی دھاتوں کو چھپا کر اور کنز بنانے کی ممانعت

2. احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن حکیم کے بعد دوسرا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور حیات طیبہ ہے جو قرآن پاک کی تشریح ہے۔ احادیث کے بغیر قرآن پاک کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع وتدوین کا کام رسول اللہ صلی العلم کی حیات طیبہ کے بعد شروع ہوا۔ اس سلسہ میں محدثین کرام نے بہت احتیاط، محنت اور محبت سے رسول اللہ صلی العلم کے اقوال اور آپ کی عملی زندگی کے اعمال کے ایک ایک گوشہ اور ایک ایک قول کو جمع کیا۔ جو آج ہمارے سامنے کتب احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ ان کتب حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ آپ کی زندگی قرآن ہی کی تشریح ہیں اور آپ کے اقوال بھی دراصل اللہ کی طرف سے القاء کئے جاتے تھے جن میں معاشی معاملات سے متعلق بھی آپ کی ہدایات موجود ہیں۔

قرآن وحدیث کی معاشی تعلیمات کا خلاصہ:

- وہ تمام ذرائع ووسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے۔ سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ انسان ایک امین کی حیثیت سے ان میں تصرف کا مجاز ہے۔
- انسان ذرائع پیداوار کے اکتساب اور استعمال کے معاملے میں آزاد ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کے اختیارات اللہ اور رسول کے مقرر کردہ حدود کے پابند ہیں۔ وہ خود حلال وحرام اور جائز وناجائز کے قاعدے وضع نہیں کر سکتا۔
- اللہ اور رسول صلی الیم کے دئے ہوئے حدود کا منشاء یہ ہے کہ اس پر سختی سے عمل کیا جائے کیونکہ ایک دن انسان کو اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا جب احکام خداوندی کی پابندی کا اجر ملے گا اور ان سے روگردانی پر سخت مواخذہ کیا جائیگا۔ ساتھ ہی ساتھ ایمان عبادات تعلیم اور اخلاقی تربیت کے ذریعہ انسان کی داخلی اصلاح کی جاتی ہے تا کہ اس کے اندر ایک مضبوط اخلاقی حس پیدا ہو جس سے وہ عدل وانصاف پر قائم رہے۔

مسلم مفکرین کی بیان کردہ تعریفیں

1. أبو الحسن علي بن محمد بن حبيب البصري الماوردي

الاحکام السلطانیہ امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب بصری الماوردی 364ھ کی مشہور عربی تصنیف ہے۔ وہ فقہ شافعی کے مشہور فقیہ اور اپنے زمانے کے اکابر مصنفین میں سے تھے۔ الماوردی 364ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آخر میں بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ مختلف شہروں میں قضا کی خدمات پر بھی مامور رہے۔ الماوردی نے الاحکام السطانیہ

کے علاوہ فقہ ، تفسیر ، اصول دین اور ادب میں بھی مستند کتابیں تحریر کیں۔ الاحکام السلطانیہ اسلامی نظام و آئین حکمرانی اور سیاست پر مبسوط اور اہم کتاب ہے جو بیس ابواب پر مشتمل ہے۔

اس میں حکومت کے جملہ شعبوں مثلاً امارت والیان ریاست ، پولیس ، فوج ، قضا ، صلوۃ ، تحصیل زکوۃ ، حج ، جزیہ و خراج ، جاگیرات ، چراگاہوں ، پڑاؤ ، جرائم کے قوانین اور احتساب کے احکام وغیرہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ 1895ء میں پیرس سے فرانسیسی ترجمہ و شرح کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولوی سید محمد ابراہیم نے کیا ہے جو نفیس اکیڈیمی کراچی اور قانونی کتب خانہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔(2)

ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (متوفی 450ھ) نے اپنی کتب میں اقتصادی موضوعات پر بھی بحث کی ہے ، مال چونکہ اقتصادیات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے مال کو اقتصادیات کی بنیاد قرار دیا ہے ، اقتصادیات میں اس کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

" والاموال ضربان: ظاهرة وباطنة، فالظاهرة : مالا يمكن اخفاه كالزرع والشمار والمراشي ، والباطنة : ما ا مكن اخفاه من الذهب والفضة وعروض التجارة .

”مال کی دو قسمیں ہیں: اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ ، اموال ظاہرہ سے مراد ہے وہ مال جنہیں چھپایا نہ جا سکے جیسے کھیتی ، پھل اور مویشی وغیرہ اور اموال باطنہ سے وہ مال مراد ہے جنہیں چھپایا جا سکے جیسے سونا ، چاندی اور سامانِ تجارت۔“(3)

2.ابو حامد محمد الغزالی

امام غزالی کا اصل نام ابو حمید غزالی ہے۔ امام غزالی 1054ء میں خراسان کے چھوٹے سے قصبے طوس میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سوت کا کاروبار کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا نام غزالی پڑ گیا۔ غزالی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سوت بنانے والا۔ علامہ سمعیانی کے اس خیال سے کوئی بھی اتفاق نہیں کرتا کہ امام غزالی طوس کے ایک گاؤں غزال سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ اسلام کے مشہور مفکر اور متکلم تھے۔ ابتدائی تعلیم طوس و نیشاپور میں ہوئی۔(4)

آپ کے والد محمد بن محمد رحمتہ اللہ کا انتقال 465 میں اس وقت ہوا جب آپ کی عمر پندرہ برس تھی آپ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ احمد غزالی کی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی۔ والد محترم درویش صفت انسان تھے اپنا زیادہ تر وقت عبادت الہی میں گزارتے تھے علم دوست انسان تھے اس لئے اپنے انتقال سے قبل اپنے ایک دوست عالم دین شیخ احمد بن محمد زاز کانی کے سپرد اپنے دونوں بیٹوں کو کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ جو بھی معمولی اثاثہ میرے پاس ہے میرے بیٹوں کی تعلیم اور پرورش پر خرچ کر دیا۔ اور علم فقہ کی ابتدائی کتب اپنے زیر سایہ پڑھائیں۔ امام صاحب نے جب ابتدائی تعلیم حاصل کر لی تو حضرت احمد بن محمد زاز کانی نے ان کو طوس کے مدرسہ میں داخل کرا دیا مقصد یہ تھا کہ اس مدرسہ میں داخل ہو کر اعلی تعلیم حاصل کریں مگر امام غزالی طوس کے مدرسہ میں داخل ہونے کی بجائے جرجان تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے وقت کے مشہور امام ابو نصر اسماعیلی کی خدمت میں رہ کر ہمہ علوم کا حصول کیا۔ آپ نے تھوڑی ہی مدت میں علوم متداولہ کی تکمیل و تحصیل کر لی اللہ رب العزت نے آپ پر اپنا خصوصی فضل و کرم نازل فرمایا اور آپ پر علوم کے خزانے کھول دیئے۔ علوم کے ان تمام خزانوں کو آپ نے اپنے دامن میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ کچھ مدت جرجان میں رہنے کے بعد امام غزالی واپس طوس تشریف لے آئے مگر علم کی

تشنگی ابھی باقی تھی مزید علم حاصل کرنے کی تڑپ اور لگن دل میں موجزن تھی چنانچہ اپنے مقصد کی تکمیل کی غرض سے نیشا پور چلے گئے۔(5)

نیشاپور ان دنوں علم و فن کا عظیم مرکز تھا۔ بڑے بڑے جید اور قابل ترین اساتذہ کرام نیشاپور میں موجود تھے اور نیشاپور میں مدرسہ نظامیہ میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین علامہ ابوالمعالی جوینی کے زیر سایہ داخلہ لے لیا۔ علامہ جوینی کو امام الحرمین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا ان جیسا بلند پایا اور عظیم المرتبت عالم ان دنوں میں اور کوئی نہ تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر رہ کر امام غزالی نے دیگر علوم کے علاوہ علم مناظرہ علم الکلام اور علم فلسفہ کی تکمیل کی اور ان علوم کمال حاصل کیا کہ علامہ جوینی کے تین سو شاگردوں میں سبقت لے گئے اور تھوڑی سی مدت میں فارغ التحصیل ہو کر سند حاصل کرلی۔ اس وقت امام کی عمر صرف اٹھائیس برس تھی کہ آپ نے تمام علوم اسلامیہ ادبیات فارسی و عربی ولائیت اور علم فلسفہ میں درجہ کمال حاصل کر مناظرہ 478ء میں علامہ جوینی کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی قابلیت واہلیت کو دیکھتے ہوئے آپکو اپنے استاد محترم کی زندگی میں ہی مدرسہ نظامیہ میں نائب مدرس مقرر کر دیا گیا تھا پھر کچھ عرصے کے بعد آپ مدرسہ کے مدرس اعلی کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ امام کی علمی قابلیت کا اعتراف آپ کے استاد محترم امام جوینی بھی کیا کرتے تھے اور آپ کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب "منخول" تصنیف فرمائی تو اسے اپنے استاد محترم علامہ جوینی کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ استاد محترم نے کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا: غزالی تم نے مجھے زندہ در گور کر دیا ہے۔ یعنی یہ کتاب میری تمام شہرت پر حاوی ہو گئی اور میری شہرت دب کر رہ جائے گی۔ استاد محترم کی زبان سے نکلی ہوئی یہ بات سچ ثابت ہوئی۔

استاد کے انتقال کے بعد انہوں نے نیشاپور سے مکہ کا رخ کیا جہاں نظام الملک طوسی وزیر اعظم سلطان ملک شاہ سلجوقی کا قیام تھا۔ نظام الملک طوسی امام صاحب کے علم و فضل کا شہرہ سن چکا تھا اس نے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ نظام الملک کے دور میں ایران نے علم و فضل میں بہت ترقی کی، مختلف علوم پر کتابیں لکھی گئیں کسی کے علم و فضل کا امتحان لینا ہوتا تو مناظرہ کر وا دیتے۔ چنانچہ نظام الملک نے امام صاحب کے امتحان کے لئے علمی مباحثے اور مناظرے کروائے اور امام صاحب ہر مناظرے میں غالب رہے۔ ایک دفعہ مشہور شاعر عمر خیام سے بھی امام صاحب کا فلسفہ کے مسائل پر مباحثہ ہوا جس میں عمر خیام لاجواب ہو کہ کسی ضرورت کا عذر کر کے محفل سے اٹھ کر چلا گیا۔ یہ امام صاحب کی بہت بڑی جیت تھی۔

اس زمانے میں مدرسہ نظامیہ بغداد اسلامی علوم وفنون کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔ نظام الملک نے اس کی صدارت کے لئے امام صاحب کو منتخب کیا۔ یہ عہدہ اس شخص کو ملتا تھا جو اس دور کا سب سے بڑا عالم ہو۔ امام صاحب جب اس عہدے پر فائز ہوئے تو ان کی عمر صرف 34 سال تھی۔ اس عمر میں یہ اعزاز کسی کو حاصل نہ تھا۔ جب آپ نے اس کی صدارت سنبھالی تو تھوڑے ہی عرصے میں اپنے فضل و کمال سے ارباب سلطنت کو اتنا گرویدہ کر لیا کہ سلطنت کے اہم امور بغیر ان کے مشورے سے سرانجام نہیں پا سکتے تھے۔

امام غزالی بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کی بیشتر تصانیف فقہ، کلام، منطق، اخلاق اور تصوف پر مشتمل ہیں۔ آپ کی سب سے قیمتی اور مفید کتاب احیاء العلوم ہے جس کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی حاصل ہوئی۔ اس کتاب سے اسلامی دنیا

نے کافی استفادہ کیا۔ یورپ نے بھی اس کتاب سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا۔ اس کا اصل نسخہ کتب خانہ برلن میں موجود ہے۔ فارسی میں کیمیائے سعادت ایک بلند پایہ تصنیف ہے۔ فقہ میں وسط بسیط مشہور و معروف کتاب ہے۔ نیشاپور سے وزیر سلاجقہ نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے اور 484ھ میں مدرسہ بغداد میں مدرس کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ جب نظام الملک اور ملک شاہ کو باطنی فدائیوں نے قتل کر دیا تو انہوں نے باطنیہ، اسماعیلیہ اور امامیہ مذاہب کے خلاف متعدد کتابیں لکھیں۔ اس وقت وہ زیادہ تر فلسفہ کے مطالعہ میں مصروف رہے جس کی وجہ سے عقائد مذہبی سے بالکل منحرف ہو چکے تھے۔ ان کا یہ دور کئی سال تک قائم رہا۔ لیکن آخر کار جب علوم ظاہری سے ان کی تشفی نہ ہوئی تو تصوف کی طرف مائل ہوئے اور پھر خدا، رسول، حشر و نشر تمام باتوں کے قائل ہو گئے۔ 488ھ میں بغداد چھوڑ کر تلاش حق میں نکلے اور مختلف ممالک کا دورہ کیے۔ یہاں تک کہ ان میں ایک کیفیت سکونی پیدا ہو گئی اور اشعری نے جس فلسفہ مذہب کی ابتدا کی انہوں نے اسے انجام تک پہنچا دیا۔ ان کی کتاب " المنقذ من الضلال" ان کے تجربات کی آئینہ دار ہے۔ اس زمانہ میں سیاسی انقلابات نے ان کے ذہن کو بہت متاثر کیا اور یہ دو سال تک شام میں گوشہ نشین رہے۔ پھر حج کرنے چلے گئے۔ اور آخر عمر طوس میں گوشہ نشین ہو کر گزاری۔ ان کی دیگر مشہور تصانیف احیاء العلوم، تحافۃ الفلاسفہ، کیمیائے سعادت اور مکاشفۃ القلوب ہیں۔ ان کا انتقال 505ھ کو طوس میں ہوا۔(6)

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

" غزالی، بہت بڑے شیخ، بحر بے کنار امام، حجۃ الاسلام، اپنے زمانے کے یگانہ روزگار جن کا لقب زین الدین، کنیت ابو حامد اور نسب محمد بن محمد بن محمد بن احمد طوسی شافعی غزالی ہے، آپ کی متعدد تصانیف ہیں، آپ انتہائی زیرک فہم کے مالک تھے، ابتدائی طور پر اپنے علاقے میں ہی فقہی علوم حاصل کیے، اس کے بعد اپنے طالب علم ساتھیوں کے ساتھ نیشاپور منتقل ہو گئے، وہاں انہوں نے امام الحرمین کی شاگردی اختیار کی، اور فقہ میں تھوڑی سی مدت کے دوران ہی اپنی مہارت کا لوہا منوایا، پھر علم کلام، علم جدل میں بھی مہارت حاصل کی، یہاں تک کہ مناظرین کی آنکھوں کا مرکز بن گئے۔(7)

معاشیات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے امام غزالی لکھتے ہیں: " دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے لہذا کمانے کے صحیح طریقوں کے جاننا ضروری ہے"

3. عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون

ابن خلدون جو مشرق و مغرب کے فلاسفہ و تابعین کے سرتاج ہیں، بمقام تیونس 732ء میں پیدا ہوئے اور 808ء میں بمقام مصر وفات پائی۔ وہ آٹھویں صدی ہجری کے مشاہیر سے ہیں ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن محمد بن خلدون، ولی الدین التونسی الحضرمی الاستبیلی المالکی ہے۔ ابن خلدون کے اجداد کا نسب قبائل یمن سے بنی وائل تک پہنچتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ ان کے جد اعلی نے یمن سے اندلس کی طرف تیسری صدی ہجری میں ہجرت کی تھی۔(8) اس کے بعد ان کے اجداد نے ساتویں صدی ہجری کے وسط میں اشبیلہ سے تونس کی طرف ہجرت کی اور اشبیلہ میں اقامت پذیر ہو تھا۔

ابن خلدون کی تالیفات:

ابن خلدون نے علماء اور مفکرین میں نہ صرف ایک کتاب کی وجہ سے شہرت حاصل کی بلکہ اس کتاب کے صرف ایک

ہی جز کی وجہ سے اور وہ اس کا مقدمہ ہے۔ان کی پوری تاریخ کا نام ہے:

"كتاب العبر، وديوان المبتدأ والخبر في أيام العرب والعجم والبربر، ومن عاصرهم من ذوي السلطان الأكبر "

کتاب اول: یہ تقریبا 400 صفحات پر مشتمل ہے: اس میں عمرانیات اور ان عوارض ذاتیہ سے بحث کی گئی ہے جو اس میں عارض ہوتے ہیں جیسے ملک، سلطان، کسب معاش، صنائع علوم وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔" یہی کتاب اول اس کا مقدمہ ہے جو مشہور عالم ہے۔ اس نے ابن خلدون کو ایک اعلی مرتبہ پر فائز کر دیا کیونکہ اس نے اس میں ان جدید مباحث پر روشنی ڈالی ہے جس کو اس زمانے میں علوم اجتماعی، سیاسیات، اقتصادی اجتماعی، فلسفہ، تاریخ، قانون عام وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا۔

ابن خلدون آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) میں گذرے ہیں۔ان مباحث پر انہوں نے اس وقت اپنے خیالات کا اظہار کیا جبکہ اہل یوروپ پر پردہ غفلت پڑا ہوا تھا عربوں میں سے بھی ان مسائل پر کچھ نہیں لکھا۔ قطع نظر ان چند منتشر خیالات کے جن کی کوئی اہمیت نہیں۔ بر خلاف اس کے ابن خلدون نے ان مباحث پر کافی شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے واقعات کا باہمی موازنہ ومقابلہ کر کے ان سے نتائج اخذ کئے اور علل سے بحث کی جن سے اس نے ذاتی مطالعہ یا شخصی تجربہ کی بناپر واقفیت حاصل کی تھی۔(9)

بلاشبہ ابن خلدون کی سیر وسیاحت اس کا ایک مملکت سے دوسری مملکت کو نقل وحرکت کرنا اور مرتبہ اعلی کی تلاش میں اس کا ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں پہنچنا مختلف قوموں سے اس کا میل جول اور ان سلطنتوں کی بعض خصوصیات سے اس کا پوری طرح واقف ہونا ان تمام امور نے اس کے مباحث کی تکمیل میں بڑی مدد کی اس میں شک نہیں کہ اصولی تصورات تو پہلے ہی سے اس کے دماغ میں پوشیدہ تھے اب تجربہ اور سیر وسیاحت سے ان میں پختگی پیدا ہوتی گئی بالآخر ان کا عالم وجود میں ظہور ہوا۔ مقدمہ کی پانچویں فصل میں معاش اور اس کے اقسام وکسب رزق اور اس کے مختلف طریقوں مثلا تجارت، صنعت اور ان کے مختلف اقسام کے مسائل ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ یہ اعمال بشری کا ماحاصل ہیں اس کے بعد مختلف صورتوں سے بحث کی گئی ہے۔اس میں زراعت، تعمیرات، پارچہ بافی، خیاطی اور توالد وتناسل، طب، باغبانی، موسیقی وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ صنعت کے اعتبار سے اس میں تفصیلی مباحث ہیں نیز اس زمانے کے اصولی صنعتوں کے بھی مباحث ہیں۔اس میں رزق اور عمرانی سے اس کے تعلق کو واضح کیا گیا ہے

یہ وہ مباحث ہیں جس کو اس دور کے لوگ اقتصاد سیاسی (Political Economy) اور اقتصاد اجتماعی سے تعبیر کرتے ہیں۔اس فصل کے اکثر مبادیات وہ بنیادی اصول ہیں جن پر کارل مارکس کی (Das Kapital) مشتمل ہے۔(10)

ابن خلدون معاشیات کی درج ذیل تعریف بیان کرتے ہیں: "اگر انسان کی کمائی ضرورتوں کے برابر ہے تو اسے معاش کہتے ہیں۔اگر ضرورتوں سے زیادہ ہے تو اسے ریاش کہتے ہیں۔ پھر اگر اس کی کمائی سے خود انسان فائدہ اٹھائے اور اسے اپنے ذاتی کاموں پر صرف کرے تو یہ رزق کہلاتا ہے"۔ چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے وہی مال ہے جو تم نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر پھاڑ دیا یا اللہ کی راہ میں دے کر آگے بھیج دیا لیکن اگر یہ کمائی اپنی ذاتی ضرورتوں پر صرف نہ کی جائے تو بہ نسبت مالک کے وہ رزق نہیں بلکہ کسب ہے۔(11)

4. امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب الانصاری الکوفی البغدادی (113ھ) خاندانی مالی پس منظر بہت غربت سے مستعار تھا جب آپ بڑے ہوئے تو والدہ محترمہ نے آپ کو تیل کے ایک کارخانے میں بٹھادیا تاکہ نان شبینہ کا انتظام ہو سکے جبکہ آپ کے والد محترم آپ کو امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں بٹھا آئے حالات کی تنگی کے باعث آپ کا تعلیمی سلسلہ ایک بار پھر منقطع کر دیا گیا اور آپ بچپن کے زمانے سے ہی روزگار سے وابستہ کر دئے گئے، لیکن طبع علمی پر یہ فن کسب گراں گزرا اور ایک دن بھاگ کر پھر اپنے استاد محترم کے حلقہ درس میں آن وارد ہوئے، استفسار پر حقیقت حال گوش گزار کی تو جب والدہ محترمہ بیٹے کی شکایت کے لیے حاضر خدمت ہوئیں تو استاد محترم نے کمال شفقت و مہربانی سے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور انہیں اپنی سرپرستی میں لے لیا کیونکہ امام ابو حنیفہ ایک متول تاجر تھے اور ابو یوسف جیسے قابل ولائق وذہین وفطین طالب علم کے لیے ماہانہ وظیفہ کا تقرر ان کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ یہ دن اور پھر استاد کی زندگی کے آخری دن تک امام ابو یوسف اپنے استاد سے ہی وابستہ رہے، یہ عرصہ کم و بیش تیس سالہ طویل رفاقت پر مشتمل ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد امام ابو یوسف ایک بار پھر مالی مشکلات کا شکار ہو گئے لیکن اب کی بار قدرت نے پھریاوری کی اور حکومت وقت نے قاضی القضاۃ کے منصب کی پیشکش کر دی۔ اس منصب سے جہاں معاشی مسئلہ حل ہوا وہاں اس سے بڑھ کر آپ کو اپنی علمی صلاحیتوں کی مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی وسیع و عریض اسلامی سلطنت کے طول و عرض سے قسم و قسم کے مسائل کے جو آپ کی عدالت میں صبح و شام پیش کیے جاتے تھے اور آپ بڑی عرق ریزی سے ان کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے فتاوی سے فیصلے صادر کرتے تھے۔ دربار میں آپ کی شان و شوکت اس قدر زیادہ تھی کہ بادشاہ وقت کی سواری جس جگہ رکتی تھی آپ کی سواری اس سے بھی آگے جا کر رکتی تھی اور آپ اپنی نشست تک حکمران وقت سے کم فاصلہ پیدل چل کر پہنچتے تھے، آج کی اصطلاح میں کہا جا سکتا ہے کہ قاضی ابو یوسف کا "پروٹوکول" خلیفہ المسلمین سے بھی بڑھ کر تھا۔ پورے دن کی ان گوناں گوں مصروفیات کے بعد شام کے اوقات بغداد میں درس قرآن و حدیث کا اہتمام کرتے تھے اور رات گئے تہجد کی نماز بھی عمر بھر قضا نہ ہوئی تھی۔

امام ابو حنیفہؒ کے نمایاں شاگرد ہیں، اور امام صاحب کے فقہی مذہب کو پھیلانے والے یہی پہلے شخص ہیں۔ آپ بہت بڑے فقیہ اور حفاظ محدثین میں سے تھے، وہ کوفہ میں پیدا ہوئے، حدیث و روایت میں تفقہ حاصل کیا پھر امام ابو حنیفہ کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ آپ پر رائے اور قیاس کا رجحان غالب آگیا تھا۔ آپ خلیفہ مہدی، ہادی اور ہارون رشید کے ادوار حکومت میں بغداد کے قاضی رہے اور ہارون رشید کے عہد حکومت میں اسی منصب پر وفات پائی۔ آپ اسلامی تاریخ میں واحد پہلے فرد ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کہا گیا۔ آپ کو قاضی القضاۃ دنیا بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کے منہج کی روشنی میں اصول فقہ پر کتابیں لکھیں آپ تفسیر، مغازی اور ایام عرب تاریخ کے بارے میں بہت وسیع معلومات رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں: کتاب الخراج، الاثار اسے مسند ابی حنیفہ بھی کہا جاتا ہے، النوادر، اختلاف الامصار، ادب القاضی، الامالی فی الفقہ، الرد علی مالک بن انس، الفرائض، الوصایا، الوکالۃ، البیوع، الصید والذبائح، الغرب استمراء، الجوامع (12)

موخر الذکر کتاب چالیس حصوں میں تھی جو یحییٰ بن خالد برمکی کے لئے آپ نے لکھی تھی۔ اس کتاب میں آپ نے اختلافی مسائل کی نشاندہی اور ان میں اپنی فقہی رائے کا اظہار کیا تھا۔

کتاب الخراج امام ابو یوسف کی شہرہ آفاق کتاب

کتاب الخراج آپ کی سب سے اہم اور باقی کتابوں کی نسبت سب سے ضخیم کتاب ہے یہ دراصل خلیفہ ہارون رشید کی ایماء پر لکھی گئی تھی اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نظم الدول بلخصوص مالیاتی نظام اور اس سے متعلقہ بعض ضروری امور کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کی خواہش تھی کہ انہیں اس سلسلے میں بعض ضروری چیزوں کی تفصیلات مہیا کی جائیں چنانچہ انہوں نے امام ابو یوسف سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے یہ کتاب مرتب فرمائی۔

امام ابو یوسف نے اس کتاب کا آغاز جس عبارت سے کیا ہے اس سے ہمیں یہی اندازہ ہوتا ہے چنانچہ یوسف لکھتے ہیں:

"یہ وہ دستاویز ہے جو ابو یوسف نے امیر المؤمنین ہارون رشید کو ارسال فرمائی تھی۔ اما بعد اللہ امیر المومنین کی عمر دراز کرے اور ان کو ہمیشہ ہر طرح کی نعمتوں کے ساتھ شان و شوکت سے سرفراز کیے رکھے خدا کرے کہ آج ان پر جو انعامات ہو رہے ہیں، ان کے بعد انہیں آخرت کی لازوال اور غیر فانی نعمت بھی عطا ہو اور نبی کریم صلی علیہم کی رفاقت نصیب ہو، امیر المومنین نے (اللہ ان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے جس کو وہ خراج عشور صدقات اور جوالی کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں۔ ور جو ان کے دوسرے امور میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے جن پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے اس تحقیق سے امیر المومنین کا منشا یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے معاملات درست فرمائیں اللہ تعالی امیر المومنین کو اپنے ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور راہ راست پر رکھے اور ان کی دستگیری فرمائے اور خوف و خطر کی باتوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ بالا امور پر عمل در آمد کا ارادہ رکھتے ہیں ان کی تفصیلات سے آگاہ کر دوں چنانچہ میں نے ان کو تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا ہے"۔(13)

اہل علم کے نزدیک کتاب الخراج کی اہمیت

اہل علم نے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کو بڑی اہمیت دی ہے مثلا معروف محقق کتاب الخراج کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ کتاب قاضی ابو یوسف کا ایک خط ہے جو انہوں نے خلیفہ ہارون رشید کے نام لکھا تھا اس خط میں انھوں نے حکومت کے مالی وسائل اور ذرائع آمدن کی تفصیلات اور عمدہ بحث کی ہے۔ آپ نے اس میں قرآن مجید، احادیث اور صحابہ کے فتاوی پر بڑا اعتماد کیا ہے۔(14)

نیز فرماتے ہیں :اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہترین اور نہایت قیمتی سرمایہ ہے جس دور میں یہ لکھی گئی اس دور میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔(15)

کتاب الخراج کے مندراجات

یہ کتاب دوسری صدی ہجری میں لکھی گئی جبکہ اس وقت کوئی اور قابل ذکر تصنیف اس سلسلے میں موجود نہیں تھی اور نہیں یہ فن ابھی اپنی ارتقائی شکل کو پہنچا تھا اس لئے اس کا وہ اسلوب نہیں جو کسی بھی فن میں لکھی جانے والی کسی جامع و مربوط کتاب کا ہوتا ہے اور نہ ہی یہ قانون پر مشتمل کوئی دستاویز ہے، لبتہ اس کے باوجود یہ کتاب ان دونوں پہلوؤں سے بہت حد تک(16) تعلق رکھتی ہے۔ فنی اعتبار سے یہ فقہ المالیات اور نظم الدول کے موضوع سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا بڑا حصہ فقہ المالیات بلخصوص "مالیۃ الدولۃ" پر مشتمل ہے، جو کہ نظم الدول ہی کا ایک شعبہ ہے۔ نیز نظم الدول ہی سے متعلقہ دیگر

مباحث بھی پوری کتاب میں بکھرے نظر آتے ہیں اور قانونی اعتبار سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں حاکم وقت کو مالیاتی نظام سے متعلقہ ایسی اہم معلومات فراہم کی گئی ہیں جن کی روشنی میں حکومت کے لیے قانون سازی ممکن ہے

کتاب الخراج کے اہم مندرجات ذیل ہیں: خلیفہ کو نصیحتیں، خلیفہ کی رہنمائی کے لیے منتخب احادیث، مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ۔ عراق و شام کی فتوحات، خراج کی وصولی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام کار۔ خراج کی شرح اور مقداروں میں تبدیلی کا مسئلہ۔ عراقی جاگیروں کے مسائل، ان کے محاصل، مقداریں اور زمینوں کی نوعیت۔ غیر آباد (مردہ) زمینوں کی آباد کاری کا مسئلہ۔ اسلام قبول کرنے والوں کے اموال۔ باغیوں کے جان و مال کا مسئلہ۔ زکوٰۃ سے متعلقہ احکام۔ نہروں، دریاؤں اور آبپاشی سے متعلقہ بعض مسائل۔ عمالِ خراج کے لیے ہدایات۔ ذمیوں سے متعلق مسائل (جزیہ، تجارتی ٹیکس، مذہبی آزادی کی حدود وغیرہ)۔ باغیوں، چوروں اور قصاص و حدود سے متعلقہ مسائل۔ مرتد ہونے والوں سے متعلقہ احکام۔ قاضیوں، عاملوں اور گورنروں کے وظائف سے متعلقہ مسائل۔ سرحدوں کی حفاظت اور جاسوسی سے متعلق مسائل۔ مشرکوں اور باغیوں سے جنگ اور متعلقہ مسائل۔ یہ وہ مندرجات ہیں جنہیں امام ابو یوسف نے خصوصیت کے ساتھ موضوع بحث بنایا ہے، تاہم ضمنی طور پر **"کتاب الخراج"** میں کئی اور اہم موضوعات بھی زیر بحث آئے ہیں۔ مثلاً:

1. اس کتاب میں پہلی دو صدیوں کی جنگی و سیاسی تاریخ سے متعلق بہت سی معلومات ملتی ہیں۔
2. ابتدائی صدیوں میں فقہ اسلامی کی صراحت میں قرآن، حدیث، آثار اور قیاس وغیرہ سے کس طرح استدلال کرتے تھے، اس بارے میں بھی کافی معلومات ہیں۔

ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں امام ابو یوسف اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہیں اور ان کی رائے کو دیگر فقہاء کے استدلال کی بنیاد پر چھوڑ دیتے ہیں، جبکہ کہیں وہ اپنے استاد کی رائے کو دوسروں کی آراء پر ترجیح دیتے ہیں۔(17)

حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ کے میدان میں بھی قاضی ابو یوسف نے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (جو ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ لیکن جب آپ نے اصول فقہ یا اسلامی قانون سازی میں امام ابو حنیفہ کی شاگردی اختیار کی تو آپ کے علمی عروج کو چار چاند لگ گئے۔ امام ابو حنیفہ کے ہاں طالب علمی کی حیثیت نے آپ کو علم کے بام عروج تک جا پہنچایا اور کہا جاتا ہے کہ آپ عالم اسلام کے سب سے بڑے مکتب فکر "فقہ حنفی" کے اپنی نوعیت کے اولین اور اہم ترین قانون دان فقیہ ہیں۔ آپ کو اسلامی حکومت نے "قاضی القضاۃ" کا منصب عطا کیا اور آپ نے آزادی سے اپنے فرائض سرانجام دیے۔ یہ منصب اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے آپ کی شخصیت سے ہی متعارف ہوا۔(18)

5. ابو عبید قاسم بن سلام

ابو عبید القاسم بن سلام ہرات میں دوسری ہجری کے نصف آخر کی پہلی دہائی میں پیدا ہوئے۔ (18) ابو عبید نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر ہرات میں حاصل کی۔ نوجوانی کے عہد میں وہ بصرہ اور کوفہ تحصیل علم کے لیے روانہ ہوئے اور انہیں خلافت عباسیہ کے ان نامور اساتذہ سے شرف تلمیذی حاصل ہوا جو فقہ، حدیث اور دینی علوم کے لیے مستند خیال کیے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک استاد انہیں عربی زبان کے استاد کے پاس لے گئے اور نپے تلے الفاظ میں یوں کہا: *"علمی القاسم فانھا کیسہ"* (آپ قاسم کو پڑھائیے کہ وہ بڑا ہوشیار ہے)۔ یہ علمی اشارے ابو عبید کے مستقبل کو ظاہر کر رہے تھے کہ وہ آئندہ

زمانے میں عربی زبان وادب کے مستند اور علوم عربیہ کے امام ثابت ہوں گے۔ تحصیل علم کے لیے بغداد میں طویل سکونت اختیار کی جہاں انہوں نے عرب ادب، علوم صرف ونحو، قرآت، حدیث اور فقہ کی تعلیم مکمل کی۔(19)

ابو عبید نے قرآن مجید کا علم اور اس کی مختلف قرائتیں سیکھنے میں کسائی، اسماعیل بن جعفر، ابی نصرہ سے استفادہ کیا اور حدیث کی سماعت محدثین کی ایک جماعت سے کی، ان میں اسماعیل بن عیاش، اسماعیل بن جعفر، ہشیم بن بشیر، شریک ابن عبد اللہ، عبداللہ بن مبارک، ابو بکر بن عیاش، سفیان بن عیینہ، یحییٰ القطان وغیر ہم شامل ہیں۔ (20)

کتاب الاموال

اسلامی مملکت کا مالیاتی نظام جس کی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی اور خلفاء راشدین کے دور میں بتدریج ترقی کے منازل طے کرتا رہا اور پھر اسلامی دور کی ابتدائی دو صدیوں میں اسے جن تغیرات کا سامنا کرنا پڑا، یہی **"کتاب الاموال"** کا موضوع ہے۔ امام ابو عبید نے اس پر تفصیلی مواد پیش کیا ہے اور ان کی یہ تصنیف اس موضوع پر لکھنے والے متاخرین کے لیے معتمد علیہ کتاب بنی رہی۔

کتاب الاموال کا موضوع

امام ابو عبید کی اس گراں قدر تالیف کو اس کے راویوں نے چار سے لے کر کئی اجزاء میں تقسیم کیا ہے، لیکن ہم اس کے مضامین کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں:

حصہ اول: ان تمام آمدنیوں کا ذکر ہے جو اسلامی مملکت کو غیر مسلموں اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہوئیں (ماسوائے زکوٰۃ)۔ اس میں مندرجہ ذیل دو بڑی آمدنیاں شامل ہیں:

- **فئے:** یہ لفظ اپنی جامعیت کی وجہ سے حکومت کو ملنے والے تمام اموال واراضی ومحاصل پر حاوی ہے جو غیر مسلموں سے وصول ہوتا تھا اور عامۃ المسلمین کے مفاد کے لیے حکومت کی تحویل میں رہتا تھا۔
- **غنیمت اور اس کا خمس:** غنیمت کا خمس بھی " فئے " کہلاتا ہے کیونکہ بیت المال پہنچ کر اس کا مصرف فئے کی طرح ہوتا ہے۔

حصہ دوم: اس میں مسلمانوں سے لیے جانے والے صدقات (زکوٰۃ) کا ذکر ہے۔

امام ابو عبید کے خیال میں یہی تین قسم کے اموال ہیں جو مملکت اسلامیہ میں حکومت کے زیر انتظام رہتے ہیں۔

مالیات کے موضوع پر تصانیف کا جائزہ

جیسا کہ ظاہر ہے مالیات کا موضوع حکومتوں کے قیام کے ساتھ ہی اٹھتا ہے۔ اس موضوع سے متعلق تحریروں کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے شروع ہو گئی تھی، لیکن آگے چل کر جب باقاعدہ دفاتر قائم ہوئے تو ضابطوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ امام ابو یوسف کی **"کتاب الخراج"** کے بعد جو دوسری کتاب مطبوعہ شکل میں ملتی ہے وہ یحییٰ بن آدم (متوفی 203ھ) کی **"کتاب الخراج"** ہے۔ پھر ابو عبید (متوفی 224ھ) کی **"کتاب الاموال"** کی باری آتی ہے جو اپنے پیش رو مصنفین سے زیادہ جامع ومبسوط ہے۔ یہ تمام تالیفات دوسری صدی کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل میں تکمیل پا چکی تھیں۔

"الخراج فی الدولۃالاسلامیہ" کے فاضل مصنف محمد ضیاءالدین الریس کا خیال ہے کہ ان تالیفات کی بنیادی غرض و غایت احکامِ فقہیہ بیان کرنا تھی، لیکن اس ضمن میں تاریخی واقعات سے استشہاد ضروری تھا۔ چونکہ فقہ کی نظر میں عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ ہی مثالی ادوار تھے، اس لیے ان تالیفات میں صدرِ اسلام سے متعلق بیشتر تاریخی و اقتصادی حقائق محفوظ ہوگئے ہیں۔ (21)

مملکت اسلامیہ کے مالیاتی امور اور مفتوحہ علاقوں میں عدل قائم کرنے کے لیے اس قسم کی جداگانہ تالیفات (جیسے کتاب الخراج) ازبس ضروری تھیں تاکہ حکام و رعایا اپنی اپنی حدود سے واقف ہوں اور ظلم کا سدِ باب ہو۔ کتاب الاموال کا یہ حصہ عصر حاضر میں اسلامی نقطہ نظر سے بین الاقوامی قوانین بنانے میں بھی ہماری رہنمائی کر سکتا ہے، کیونکہ اس میں غیر مسلموں سے تعلقات، جنگ وامن کے معاہدات اور بین الاقوامی رویوں پر بحث کی گئی ہے۔ (22)

6. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ ولی اللہ (1703ء) دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبد الرحیم اپنے عہد کے جید عالم دین اور بلند پایہ صوفی تھے۔ دہلی میں ان کا مدرسہ رحیمیہ علم و فن کا گہوارہ تھا۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیمی زندگی پانچ سال کی عمر میں شروع ہوئی اور پندرہ سال کی عمر میں وہ تمام دینی علوم سے فارغ ہوئے۔ 1720ء میں والد کے انتقال کے بعد مسند تدریس پر بیٹھے۔ 1730ء میں سفر حج کو روانہ ہوئے اور حرمین میں دو سال قیام کیا جہاں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم مدنی اور دیگر محدثین سے استفادہ کیا۔ (23) سفر حج سے واپسی کے بعد انہوں نے تدریس کی بجائے قرآن وحدیث کی اشاعت، اصلاحِ امت اور امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ 1762ء میں ان کی وفات کے بعد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے ان کے کام کو آگے بڑھایا۔

تاریخی پس منظر اور جائزہ

شاہ صاحب کی ولادت کے چار سال بعد ہی 1707ء میں اورنگزیب عالمگیر کا انتقال ہو گیا جو ہندوستان میں مغلوں کا آخری بااثر تاجدار تھا۔ اس کے بعد مغل اقتدار کا زوال تیزی سے شروع ہوا۔ شاہ صاحب نے اس زوال کا غائر نظر سے مطالعہ کیا۔ مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں کمزوری آچکی تھی، اخلاق و کردار بگڑ چکے تھے اور مشرکانہ رسوم عام ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ نے تجدید و احیائے دین کا بیڑا اٹھایا۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد شاہ صاحب جیسا شخص پیدا ہوا جس کے کام کے آگے غزالی و رازی کے کارنامے ماند پڑ گئے۔

علمی کارنامے

شاہ صاحب کے علمی کام کو درج ذیل شعبہ جات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

- **قرآن پاک کا ترجمہ:** فارسی زبان (سرکاری زبان) میں ترجمہ کیا تاکہ عوام براہ راست قرآن سمجھ سکیں۔ اس پر علماء کی مخالفت بھی ہوئی مگر انہوں نے واضح کیا کہ قرآن صرف تلاوت کے لیے نہیں بلکہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لیے ہے۔ بعد میں ان کے بیٹوں شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین نے اردو تراجم کیے۔
- **علم حدیث کی اشاعت:** ہندوستان میں حدیث کی تدریس کا رواج عام کیا اور "موطا امام مالک" کی شرح "المصوّٰی" اور "المصفیٰ" لکھیں۔

- **حدیث و فقہ میں تطبیق:** تقلیدِ جامد کے جمود کو توڑنے کی کوشش کی اور فقہی مسائل میں اعتدال کی راہ اپنائی۔
- **شریعت و طریقت میں تطبیق:** تصوف کو شریعت کے تابع کیا اور وحدۃ الوجود کی ایسی تشریح کی جو وحدۃ الشہود سے قریب تر تھی۔

شاہ ولی اللہ کے معاشی افکار

شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی زوال کا سبب "قیصر و کسریٰ" (سامراجی و سرمایہ دارانہ) نظام کی پیروی کو قرار دیا۔ آپ نے اسلامی فلسفہ معاش کو دوبارہ اجاگر کیا۔ آپ کے معاشی افکار کے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

1. انسان کی خصوصیات

انسان دیگر حیوانات سے تین باتوں میں ممتاز ہے:

- **رائے کلی:** وہ ذاتی غرض (رائے جزئی) کی بجائے مفادِ عامہ کو اپنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- **ظرافت:** اس میں پاکیزگی، صفائی اور ذوقِ جمال ہوتا ہے۔
- **قوتِ ایجاد:** وہ اپنے علم اور ارادوں سے نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو اس میں اور حیوان میں فرق نہیں۔ (24)

فرد اور معاشرہ ایک جسم کی مانند ہیں؛ فرد "جسم صغیر" ہے اور معاشرہ "جسم کبیر"۔ کسی ایک کی تکلیف پورے جسم کی تکلیف ہے۔(25)

2. مادیت و روحانیت (ارتفاقات و اقترابات)

انسان کو ترقی کا حکم دیا گیا ہے۔ تمدنی و معاشی ترقی کو **"ارتفاقات"** اور ذہنی و روحانی ترقی کو **"اقترابات"** کہا جاتا ہے۔(26)

3. معاش اور معاشرہ

معاشرے کی بقا کے لیے معاشی خوشحالی ضروری ہے۔ اگر لوگ فارغ البال نہیں ہوں گے تو اخلاقی و مذہبی ضابطوں کی پابندی نہیں کر سکیں گے۔ خوشحال معاشرے کی پہلی شرط یہ ہے کہ لوگوں کی بنیادی ضروریات (حاجاتِ اصلیہ) آسانی سے پوری ہوں۔(27)

4. اسلام اور قیصر و کسریٰ کا معاشی نظام

انسان فطری طور پر زیادہ دولت کا خواہشمند ہے۔ جب یہ خواہش بڑھتی ہے تو ایک طبقہ بے انتہا دولت کا مالک بن جاتا ہے اور غریب طبقہ ان کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ یہ "قیصر و کسریٰ" کا نظام ہے۔ اسلام اس نظام کو توڑنے آیا تھا۔(28)

5. پیداوار کے ذرائع اور ملکیت

- دولت کا حقیقی مالک صرف خدا ہے۔
- خدا کی زمین ایک سرائے کی طرح ہے جس سے فائدہ اٹھانے کا حق سب کو برابر ہے۔
- معدنیات کی کانیں، چشمے، جنگلات اور چراگاہیں کسی ایک فرد کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتیں۔(29)
- غیر آباد زمین کسی کی ملکیت نہیں، جو اسے آباد کرے گا وہی فائدہ اٹھائے گا۔(30)

- محدود ذاتی ملکیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ شخص اپنی ذات کی حد تک خدا کی نعمت سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔(31)

6.خوشحال معاشرے کے بنیادی معاشی اصول

- **معاونت (امدادِ باہمی):** زراعت، تجارت اور صنعت میں مالک اور مزدور کا رشتہ "معاونت" کا ہونا چاہیے۔ مزارعت، مخابرت اور شرکت اسی کی صورتیں ہیں۔(32)
- اگر ایک فریق ظلم کرے تو دوسرے کو معاہدہ ختم کرنے کا حق ہے۔
- ایسے نظام کو جڑ سے ختم کرنا ضروری ہے جس میں دولت بغیر محنت کے حاصل ہو یا دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو جائے۔(33)
- ہر شخص اپنے لیے خود کمائے اور دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔(34)

7.معاشی امراض

قیصر و کسریٰ کے نظام میں ایسے پیشے پیدا ہو جاتے ہیں جو دولت کی پیدائش میں حصہ نہیں لیتے بلکہ صرف امراء کی عیش و عشرت کا سامان کرتے ہیں یا لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ایسے پیشوں سے معاشرہ معاشی اور اخلاقی طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔شاہ صاحب کے نزدیک معاشی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرد پیداواری عمل میں شریک ہو۔(35)

7. ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی 25 ستمبر 1903 / 3 رجب 1321 کو اورنگ آباد مہاراشٹر میں پیدا ہوئے۔آبائی تعلق سادات کے ایک ایسے خاندان سے تھا جو ابتداء میں ہرات کے قریب چشت کے معروف مقام پر آکر آباد ہوا تھا۔اس خاندان کے ایک مشہور بزرگ خواجہ قطب الدین مودودی چشتی تھے جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ الشیوخ تھے، سید مودودی منسوب ہو کر ہی مودودی کہلاتا ہے۔ (36)

مولانا مودودی نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہ ایک مکمل مذہبی گھرانہ تھا۔ان کے والد محترم اور والدہ ماجدہ دونوں کی زندگی مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔سید م ہی کی تربیت ان کے والد نے خاص توجہ سے کی وہ انہیں مذہبی تعلیم خود دیتے تھے اردو، فارسی اور عربی کے ساتھ ساتھ فقہ وحدیث کی تعلیم بھی اتالیق کے ذریعے گھر پر دی جانے لگی تعلیم کے ساتھ اخلاقی اصلاح کا بھی وہ خاص خیال رکھتے تھے،اس لئے سید مودودی کے والدین نے انہیں کسی مدرسہ میں داخل نہیں کرایا بلکہ گھر پر ہی پڑھاتے رہے۔ابتداء ابتدائی دور کے پونے گیارہ سال انہوں نے اپنے بیٹے کو براہ راست اپنی نگرانی میں رکھا، کسی مکتب و مدرسہ میں بھیجنا گوارہ نہیں کیا، عصر پر اتالیق رکھ کر تعلیم کا انتظام کیا۔تاکہ نہ کی رو سے وہ اپنے بچے کو بچا سکیں۔سید صاحب کے گھر میں دہلی کے شرفاء کی ستھری زبان بولی جاتی تھی انگریزی زبان وعلوم کی ہوا تک نہیں لگنے دی گھریلو تعلیم کی تکمیل کے بعد سید مودودی کو گیارہ برس کی عمر میں مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد کی رشید یہ جماعت میں داخل کرایا گیا،اس وقت ان کی معلومات تمام مضامین میں اپنے ہم جماعتوں سے بہت زیادہ تھی اور آٹھویں جماعت میں سب سے چھوٹے طالب علم تھے۔

مولوی کلاس میں آنے کے بعد سید صاحب کو جدید علوم کیمیا، طبعیات، ریاضی واقفیت اور دلچسپی پیدا ہوئی اور پھر جدید علوم میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی سید صاحب نے 1914ء میں مولوی کا امتحان پاس کیا یہ وہ دور تھا جب مولانا مودودی کے

والد جناب سید احمد حسن صاحب اپنی خرابی صحت اور مالی حالات کی نامساعدت کے باوجود اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی خاطر اورنگ آباد سے حیدر آباد منتقل ہو گئے اور سید صاحب کو دار العلوم کی مولوی جماعت میں داخل کرایا۔اس وقت دار العلوم کے صدر مولانا حمید الدین فراہی تھے سید صاحب کے والد انہیں دار العلوم میں داخل کر کے خود بھوپال چلے گئے لیکن کا یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری نہ رہ سکا، سولہ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا اور انہیں مجبورا تعلیم چھوڑ کر حصول معاش کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ (37)

1921 مین جمیعتہ العلمانے "مسلم "نام کے اخبار کا اجرا کیا اور کو اس کا ایڈیٹر مقرر کر مقرر کر دیا اس اخبار کی ادارت کے ساتھ مولانا احمد سعید صاحب جیسے شاہیر کی صحبت کے علاوہ مولانا عبد السلام نیازی مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی اور مولانا اللہ سے صرف و معانی و بلاغت ، تفسیر بیضاوی ، ہدایہ ، ترمذی اور بیضاوی جیسی امہات الکتب کا سبقا سبقا درس لیا 1923 میں مولانا کو دوبارہ اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کرنے کا موقع ملا مولانا کفار بھوپال آکر مقیم ہو گئے۔(38)

مولانا مودودی کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے دنیا بھر میں پھیلی مادہ پرست سیکولرزم، مغربی سامراج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکا۔اس مقصد کے لیے انہوں نے پوری قوم بالخصوص نوجوان طبقے کو کو پکارا اور دعوت اسلامی کا غلغلہ بلند کیا پھر ایمان و شعور کے لحاظ سے جو لوگ تیار ہو چکے تھے ان کا جوابی طوفان اٹھا دیا اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو بیدار ایمان اور توانا شعور سے آراستہ و منظم کر کے ہر طرح کی سطحی اور ہنگامہ خیز جذباتیت سے دور کر کے مغربی سیکولرازم، وطنی و نسلی نیشنلزم : م بلاد محمد کمیونزم، اسلامی سوشلزم اور اخلاق باختہ جیسے فتنوں سے نبرد آزما کر دیا۔ مولانا مودودی نے موجودہ دور میں ضرورت کے مطابق آسان اور عام فہم انداز میں جس سائنٹیفک طریقے سے اسلام کے ایک ایک شعبے کی وضاحت کی وہ ایک الگ اور منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ مولانا مودودی کی اشتراکیت نام نہاد جمہوریت اور شخصی آمریت کے خلاف مسلسل جدوجہد اور قید و بند کی اعصاب شکن صعوبتیں پھر کلمہ حق بلند کرنے کی پاداش میں دادورسن کی آزمائش سے گزرتے ہوئے پامردی و استقامت کا بے پناہ مظاہرہ کرہوئے انہیں پسپائی پر مجبور کرنا یہ زندگی کے وہ کارنامے ہیں، جنہیں تاریخ کبھی فراموش نہیں نہیں کر سکتی۔الہی کی گمراہیاں، شاہ ولی اللہ امام احمد بن حنبل کے دور کا فتنہ آن، امام ابن تیمیہ کے دور کا فتنہ تاتار، امام غزالی کے دور میں لادینی فلسفہ کی یلغار، مجدد دین الف ثانی کے دور میں اکبر کے نام نہاد دہلوی کے کے دور میں اسلام کے خلاف شورشیں ان جیسے نجانے کتنوں کے ؟ کے پیچھے یہی ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنے غیر معمولی ایمانی فراست، حکمت و دانائی، علم و فضل سے وہی اسلوب وہی انداز استعمال کی جو اس دور کے فہم و ادراک کے لئے مناسب و موزوں ہو سکتی تھی۔ان نابغہ روزگار ہستیوں نے جبر و استبداد سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس وادی کے کانٹوں کو کامیابی کے ساتھ عبور کیا۔

بعد میں مولانا مودودی نے بھی اپنے لئے یہی دشوار گزار راستہ اختیار کیا مولانا نے جس وقت میدان عمل میں قدم رکھا اس وقت ہر طرف فتنے ہی فتنے تھے انگریزی تعلیم اسلام مخالف افکار کی فصل لگا رہی تھی وہ اب تیار ہو چکی تھی بیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں سرزمین ہند پر نئے نئے فتنے جنم لے رہے تھے، مغربی درسگاہوں سے فارغ طلب یا توان افکار پر ایمان لا چکے تھے یا پھر ان کے متعلق حسن ظن رکھتے تھے۔ بہر حال وہ ان کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں تھے۔ عقلیت پرستی، لادینیت، اشتراکیت، ترقی پسندی، آمریت اور متحدہ قومیت کے فتنے نسبتا اس زمانہ کے بڑے فتنے تصور کیے جا رہے تھے۔ مغربی تعلیم ۔ستانی طلباء کو بھی اس نشے سے سرشار کر دیا تھا لوگوں کو اشتراکیت کے نام پر یہ باور کرایا گیا تھا کہ وہاں معاشرتی

انصاف ملتا ہے اور افلاس کا خاتمہ ہو لیا ہے اس لیے نادار اقوام کے لئے اس میں بڑی کشش تھی مولانا عبید اللہ سندھی جو روس سے واپس لوٹے تھے اس کو اعین اسلام بنا تھے۔ کانگریس کا عنصر پنڈت نہرو کی سربراہی میں ملک میں اشتراکی نظام قائم کرنا چاہتا تھا 1927 میں روس کی یاترا بھی کر آئے تھے اور اس کے زیادہ پرزور مبلغ بن گئے تھے۔ (39)

سوشلزم کا یہ فتنہ 18 ویں صدی کی لائی ہوئی ظلم پر مبنی سرمایہ دارانہ معیشت کے خلاف عالمی انقلاب کی صورت میں نمودار ہوا تھا 1883ء میں کارل مارکس کے انتقال کے بعد اگلے ساٹھ ستر سال میں اشتراکی نظریات کی دو بڑی سلطنتیں وجود میں آگئی پہلے ہلے وہ دین و مذہب کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دینے کے درپے تھی، کیونکہ اہل مذہب اس نوزائدہ اش میں حائل تھے۔ 1917ء میں روس کی ملحقہ ریاستوں کو تاراج کرنے کے بعد سوشلزم کا یہ سیلاب ہندوستان کے اندر داخل ہو گیا جبکہ اس وقت برطانوی سامراج نے مسلمانوں کی تہذیب، زبان و ثقافت اور اقدار حیات کو بڑی حد تک اپنے کلچر میں تحلیل کر کے اپنی استعماری گرفت مضبوط کر لی تھی لیکن اشتراکیت کے مقابلے میں اس کی گرفت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ یہ فتنہ مسلمانوں کے لئے 1857ء کے فتنے سے بھی بڑا تھا۔(40)

مولانا مودودی سے پہلے مولانا آزاد اور ان کے ہم عصر سیاستدانوں کے دور میں سوشلزم کھل کر سامنے آگیا تھا مولانا آزاد وغیر ہم نے اس چیلنج کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دا زیادہ اہمیت نہیں دی، اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں کہ یہ سوشلزم ایک نیا تجربہ ہے کہ وہ اپنے اس تجربے کو زمانے کی کسوٹی پر پرکھیں۔ اسے نظر انداز کر کے مولانا آزاد نے اپنی ساری توجہ الہلال اور البلاغ کے پیغام پر مرکوز کر دیں اس کے بعد علامہ اقبال منظر عام پر آئے اور لوگوں کو سب سے پہلے اشتراکیت کی تباہ کاریوں ہوں پ کی لادین سیاست، اور وطن پرستانہ تحریک کے خطرناک نتائج سے خبردار کیا۔ اور ساتھ اپنے کلام و پیغام سے برطانوی ملوکانہ اقتدا اور اقبال کی جداگانہ مسلم قومت کی نانی اس کا مکوانجام دیا۔ مودودی اور انظریہ خلافت الہیہ تھی۔ علامہ اقبال نے مولانا کو لاہور آنے کی دعوت بھی دی تھی تاکہ وہ اپنا مشن ان کے حوالہ کر دی، لیکن مولانا سے ان کی ملاقات نہیں ہو سکی تاہم اقبال نے مولانا کو پہچان لیا تھا کہ یہ شخص سیکولر نظام کی پیدا کردہ فتنہ انگیز تحریروں کا جرات مندانہ و فراست مومنانہ کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے۔

مولانا نے ان تمام علوم کا جنکا تعلق آئین و قانون، فلسفہ و سائنس، مذہب و معیشت مسلسل حملے کرتے رہے۔ علامہ اقبال کے بعد مولانا مودودی نے عمرانیات، اشتراکیت، فسطائیت، بے لگام سرمایہ دارانہ جمہوریت کی صورت میں دنیا پر مسلط ہو رہی تھی عالمانہ بصیرت کے ساتھ مطالعہ کیا اور اس فتنے کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ اس نازک موقع پر سب سے پہلے ترجمان القرآن میں قسط وار سلسلہ مضامین "مسئلہ قومیت" کے نام سے شروع کیا تاکہ مسلمانوں کو غیر مسلم قومیت میں ضم ہونے سے بچا سکے، اس کے علاوہ اس خطرے کا سد باب کرنے کے لیے مولانا نے مسلمان اور موجودہ "سیاسی کشمکش" کے عنوان سے مضامین کا سلسلہ شروع کیا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ کم از کم اپنی مسلمانیت کے مرتبے سے نیچے نہ جانے پائیں اور اپنے تشخص کو گم نہ کر دیں۔(41)

1968 میں جب مولانا برطانیہ سے واپس آئے تو اس وقت پاکستان میں اسلام اور کمیونزم کے درمیان زندگی اور موت کی کشمکش جاری تھی پیپلز پارٹی سوشلزم کی سب سے بڑی حامی تھی۔ یہ لوگ مذہب کو گمراہ کن اور عوام کو ملک دشمن تصور کرتے تھے مولانا نے اس پیچ کا بھرپور جواب دیا اور اس حقیقت کو واشگاف انداز میں واضح کیا کہ اسلام اور سوشلزم دو

متضاد نظریے ہیں۔اس سلسلے کی م ہم تحریر وہ ہے جو انہوں نے ہفتہ روزہ چٹان کے مدیر شورش کاشمیری کے 31 سوالات کے جواب میں لکھیں انہوں نے لکھا؟ "اسلام اور سوشلزم دو متضاد نظریے ہیں۔ سوشلزم کا آغاز ہی اس تا سے ہوتا ہے کہ ہمیں کسی خدا اور رسول کی رہنمائی کی حاجت نہیں ہے ہم خود اپنی زندگی کے معاملات طے کرنے کے لیے اپنی صوابدید کے مطابق ایک ت تصنیف سہ اختیار رکھتے ہیں۔ سوشلزم کا نظام اجتماعی اسلام کی بالکل الٹ ہے اسلام فرد کو آزادی عطا کرتا لیکن ساتھ ہی ایسے حدود کا پابند بناتا ہے جس سے جماعت کے لیے نقصان ہونے کے بجائے مفید بن سکے۔ دوسری طرف وہ اتنی ہی اہمیت ایک صالح معاشرے کے وجود کو دیتا ہے جس کے اندر فضائل کی نشو نما کا پورا موقع ہو، نفرت وکشمکش کے بجائے باہمی تعاون ہمدردی اور احسان کی روح کار فرما ہو مولانا کے نزدیک اسلامی سوشلزم کی اصطلاح اسلام اور اس کے مقتضیات کی نفی اور تذلیل کے مترادف ہے"۔ (42)

70، 80 سال تک سوشلزم کا یہ نیا مسلک اپنی بے شمار شاخوں اور مختلف الاقسام مذاہب کے ساتھ یورپ اور اس کے ممالک میں تیزی سے پھیلتا رہا۔ مولانا نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا، اس پر کتابچہ اور مضامین لکھے، احادیث سے وضاحت کی، اسلام شخصی ملکیت کا حق دیتا ہے اور حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انسان۔ یہ آزادی چھین لے۔ مولانا مودودی اقتصادیات نہیں تھے بلکہ بنیادی طور پر وہ ایک مصلح تھے، اس لئے یہ کیا سلام کا اپنا اقتصادی اسلامی علوم کے ساتھ سیاسیا معاشیات، بینکنگ، سماجیات اور اور قانون سے بھی اتنے ہی واقف. اتنے ہی واقف تھے جتنا ایک عہد جدید کے انسان کو ہونا چاہیے۔ مولانا کوئی پیشاور نظری و توقع رکھنا کسی طور پر مناسب نہیں ہے کہ انہوں نے اقتصادیات میں ری و علمی حصہ کیوں نہیں لیا کہ ان کی اصلی فکر مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بنی نوع انسان کو فلاح کے راستے پر گامزن کرنا تھا اس لئے انہوں نے انسانی مسائل کا تجزیہ کر کے ان کا اسلامی حل پیش کیا۔

مولانا کے زمانے میں دو بڑی جنگوں کے علاوہ کئی چھوٹی مگر اہم جنگ ہوئی اور ان جنگوں سے دنیا پر دور رس اثرات مرتب ہوئے یہ زمانہ نو آبادیاتی عروج وزوال، اشتراکیت کے قیام اور بے مثال صنعتی ترقی کے لیے مشہور ہے، عہد جدید میں معاشی مسائل کی طرف جو توجہ ہوئی اس سے قبل کے زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملتی مولانا اپنے زمانے کے معاشی مسائل پر توجہ دی، اس پر ایک مضمون لکھا جو 1924 میں شائع ہوا اس وقت مولانا کی عمر 21 برس تھی، اس مضمون کا عنوان تھا "ہندوستان کا صنعتی زوال اور اس کے اسباب" مولانا اس مضمون میں اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیں کہ: کسی ملک کی اقتصادی وتمدنی حالت پر غور کرتے ہوئے سب سے زیادہ قابل غور یہ امر ہوتا ہے کہ اس کا نظام حکومت کیسا ہے، قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قوموں کے بننے بگڑنے میں بڑا حصہ حکومت کا ہوا کرتا ہے، کوئی قوم اس وقتک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا نظام حکومت ست نہ ہو اور اسی طرح کوئی قوم تباہ نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ اس کا نظام حکومت خراب نہ ہو " (43)

اپنے اس مضمون میں مولانا نے ہم وطنوں کی معاشی بد حالی کا مفصل نقشہ پیش کیا ہے مولانا کا انداز فکر انداز تحریر معاشیات کے کسی طالبعلم سے کم نہیں ہے۔ جس مولانا نے تصنیف وتالیف کا آغاز کیا اس وقت روس میں روس میں سرخ انقلاب آچکا تھا اور کال مارکس کا معاشی وسیاسی یہ چہار دانگ عالم میں ذہنوں کو اپیل کر رہا تھا دنیا کے کئی ملکوں میں اشتراکیوں نے تخت الٹ دیئے تھے اور پاکستان سمیت دنیا کے ہر ملک میں اشتراکی موجود تھی، اس لئے کہ کمیونزم کوئی جامد نظریہ نہیں تھا

بلکہ اپنے دامن میں ایک مکمل ساسی و معاشی نظام لیے ہوئے تھا۔ سید مودودی کے مقابے اشتراکی تو کمیں اسلام کا معاشی و نے استراکیت اور سرمایہ داری کے علاوہ کارل مارکس اور اینگلز کے کام کا جائزہ لیااور اسے فکری و نظری ہر اعتبار سے رد کیا۔ (44)

اور اس کے سیاسی نظریہ پیش کیا کہ اسلام کا سیاسی نظام جو کئی صدیوں سے عملا کہیں موجود نہیں ہے، لوگوں کے ذہنوں میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کے متبادل اور زیادہ صحیح تصور کے طور پر موجود ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ قرآن مجید انسان کے لئے اخلاقی وروحانی ارتقاء کا راستہ تجویز کرتا ہے اس کے لیے ایک آزاد معاشرہ اور رہ اور آزاد معیشت کی موجودگی ناگزیر ہے یہ ارتقاء کسی ایسے اجتماعی ماحول میں ممکن نہیں جہاں لوگوں کے حقوق ملکیت ساقط کر دیا جائے، کوئی فرد اپنے اوپر کسی کے حقوق پہچان کر دے سکے اور نہ کوئی معاشرہ کسی سے کچھ لے کر اس کے تئیں اپنے دل میں جذبہ خیر سگالی پروان چڑھ سکے۔(45)

اسلام کا نظام معیشت سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کی انتہاؤں کے درمیان ہے اس میں شخصی ملکیت کی نفی ہے نہ کسی کی چند حدود و قیود کے اندر آزاد معیشت ہے۔ کیپٹلزم اور کمیونزم کے نے اکتساب زر کے جائز و ناجائز طریقوں میں فرق کیا اور اخلاقی تعلیمات کے ذریعے معاشرہ کو خوشگوار بنانے کی سعی کی، عدل اجتماعی اسلامی نظام معیشت ہی میں ہے۔ اسلامی معاشیات کے متعلق مولانا نے کئی کتابیں تصنیف کیں مثلا سود، اسلام اور جدید معاشی نظریہ، اور اسلام وغیرہ۔ مسئلہ ملکیت، زمین، سرمایہ داری اور اشتراکیت سرمایہ دار مولانا نے اپنی مشہور کتاب انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل کے انھوں نے لکھا کہ: مسلم ممالک اور عام مسلمانوں کے رویے کی وضاحت کی "اسلام نے زائد ضرورت مال جمع کرنے کو معیوب قرو معیوب قرار دیا ہے اس کا مطالبہ ہے کہ جو کا ہے یا تو اسے اپنی ضروریات پر صرف کر دو یا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات کی تکمیل کریں اور اس طرح پوری دولت گردش کرتی رہے اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے پر اصرار کرتے ہو تو تمھاری دولت سے از روئے قانون ڈھائی فیصد سالانہ رقم نکلوائی جائے گی اور اس سے ان لوگوں پر صرف کیا جائے گا جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں۔ اسی کا نام زکوۃ ہے۔ اس کے نظام کی اسلامی صورت یہ ہے کہ اسے جماعت کے مشترک خدا نے میں مجمع کیا جائیگا۔ اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل ہو گا جو مدد کے مستحق ہیں۔ اسلام زکوۃ اور بیت المال کے ذریعے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے، اگر آپ حاجتمند ہیں تو جایئے اور بیت المال سے اپنا حصہ لے آئے پھر بینک ڈیپوزٹ یا انشورنس کی کیا ضرورت؟ سرمایہ دار آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ آپ اس کی شرائط پر کام کرنا قبول کرلیں، بیت المال کی موجودگی میں آپ کے لئے فاقہ، برھنگی اور لے مائیگی کا کوئی خطرہ نہیں۔(46)

8.ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی 1931 صدیقی 1931 میں ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنی تعلیم علی گڑھ یونیورسٹی علی گڑھ یونیورسٹی سے مکمل کی جہاں وہ معاشیات اور اسلامک اسٹڈیز کے ایسوسی ایٹ پروفیسر بھی رہے۔ ڈاکٹر صدیقی نے جدہ کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے اسلامی معاشیات کے مرکز برائے تحقیق میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں اور لاس اینجلس میں یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کے مرکز برائے مطالعات مشرق کے بھی فیلو رہے۔ دنیا بھر میں سفر کرنے والے یہ اہل تحقیق و تربیتی ادارہ کے بھی وزٹنگ اسکالر رہے۔ ان کا اسکالر رہے۔ ان کی کئی مشہور تصنیفات ہیں جن میں:

I. "Recent Theories of Profit: A Critical Examination" (1971);

II. "Economic Enterprise in Islam" (1972);
III. "Muslim Economic Thinking" (1981);
IV. "Banking Without Interest" (1983);
V. "Insurance in an Islamic Economy" (1985);
VI. "Role of State in Islamic Economy" (1996)
VII. Dialogue in Islamic Economics" (2002)

شامل ہیں۔علاوہ ازیں پروفیسر صدیقی نے اردو میں دیگر موضوعات پر بھی بہت کچھ لکھا جن میں اسلامی ادب (1960)، مسلم پرسنل لاء(1971)اور جدید دور میں اسلامی تحریک (1995) شامل ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے ابویوسفؒ کی کتاب الخراج(1966) کا بھی ترجمہ کیا۔ان کے جامع ترین کاموں میں سے ایک۔اسلام کا نظریہ ملکیت۔ شامل ہے، جو1969 میں شائع ہوئی تھی۔ جبکہ ان کی کئی تصنیفات کے عربی، فارسی، ترکی، انڈونیشائی اور ملیشیائی زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔وہ بطور ایڈیٹر بھی کئی علمی جرنلز سے وابستہ اور کئی کمیٹیوں کے رکن رہے ہیں اور ساتھ ہی انھوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف موضوعات پر ہونے وپر ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے 1931 میں ہندوستان میں پیدا ہوئے۔انھوں نے اپنی تعلیم علی گڑھ یونیورسٹی سے یونیورسٹی سے مکمل کی جہاں وہ معاشیات اور اسلامک اسٹڈیز کے ایسوسی ایٹ پر مجلس میں یونیورسٹی آف فورنیا کے مرکز برائے اسلامی ڈیویپمینٹ بنک کے اسلامی تحقیق وکے مرکز برائے تحقیق میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں اور لاس مطالعات مشرق کے بھی فیلو رہے۔ دنیا بھر میں م جدہ ان کے جامع ترین کاموں میں سے ایک۔اسلام تربیتی ادارہ کے بھی وزٹینگ اسکالر رہے۔ان -کا نظریہ ملکیت۔ شامل ہے، جو1969 میں شائع ہوئی تھی۔ جبکہ ان کی کئی تصنیفات کے عربی، فارسی، ترکی، انڈونیشائی اور ملیشیائی زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔وہ بطور ایڈیٹر بھی کئی علمی جرنلز سے وابستہ اور کئی کمیٹیوں کے رکن رہے ہیں اور ساتھ ہی انھوں نے دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف موضوعات پر ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت کی ہے۔(47)

حوالہ جات

1. سورہ الاعراف، آیت 32
2. جامع اردو انسائیکلوپیڈیا (جلد-3 سماجی علوم)، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی، 2003ء، ص66
3. الماوردی، الاحکام السلطانیہ، مترجم (مولوی سید محمد ابراہیم) ص232، قانونی کتب خانہ، کچہری روڈ لاہور۔
4. نعمانی، شبلی، الغزالی، ص06، نامی پریس کانپور۔1902ء
5. نعمانی، شبلی، الغزالی، ص7
6. ایضا، ص41-49
7. سیر اعلام النبلاء، 9/ 32
8. ابن خلدون، مقدمہ تاریخ ابن خلدون، حصہ اول (مترجم: مولانا راغب رحمانی)، ص23، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔
9. ابن خلدون، مقدمہ تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، ص26
10. ایضا
11. ابن خلدون، مقدمہ تاریخ ابن خلدون، حصہ دوم، (مترجم: مولانا راغب رحمانی)، ص212، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی۔
12. زرکلی خیر الدین، الاعلام، ج9، ص252، مکتبہ دار العلم، بیروت، نشاط ثانی 1980ء
13. صدیقی، نجات اللہ، اردو ترجمہ: کتاب الخراج، ص14 ادارہ دانش وحکمت کراچی۔
14. ابوزہرہ، ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص197، دار الفکر العربی، ط ثانی، 1960ء
15. ابوزہرہ، ابوحنیفہ حیاتہ وعصرہ، ص199

16. ابن الندیم ابو الفرج محمد بن ابی یعقوب اسحاق، الفهرست في اخبار العلماء المصنفين القدماء، ص 283،285،112، المکتبہ التجارة الکبری، مصر
17. ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص 53،155،156،167۔
18. ایضا، ص 23،27،36،68،81،106،21،18۔
19. ابن الندیم، محمد بن اسحاق، الفہرست (ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی)، ص 110، مڈوے پریس، لاہور، طبع دوم، 1990ء۔
20. ایضا، ص 11۔
21. بروکلمان کارل، تاریخ ادب العربی، جلد 01، ص 166۔
22. قاسم بن سلام، ابو عبید، کتاب الاموال (مترجم: عبدالرحمن طاہر سورتی)، ص 85، ادارہ تحقیقات اسلامی، الجامعہ الاسلامیہ العالمیہ اسلام آباد، 1968ء۔
23. قاسم بن سلام، ابو عبید، کتاب الاموال (مترجم: عبدالرحمن طاہر سورتی)، ص 202-187۔
24. (متن سے ماخوذ عمومی سوانحی معلومات)۔
25. شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج 1، ص 79،81۔
26. شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج دوم، ص 219۔
27. ایضا، ص 79-98۔
28. ایضا، ص 222؛ ص 81-79؛ ص 310۔
29. ایضا، ص 88؛ ص 224-27؛ ص 226-27۔
30. ایضا، ص 311؛ ص 312؛ ص 330۔
31. ایضا، ص 311۔
32. شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ص 318،315،317؛ جلد اول ص 328؛ ص 343؛ ص 317-10؛ ص 329،317-18،335۔
33. ایضا، ص 11-10۔
34. شاہ ولی اللہ، تفہیمات الٰہیہ، جلد اول، ص 218۔
35. حجۃ اللہ البالغہ، جلد اول، ص 224-6؛ جلد دوم ص 584؛ جلد اول ص 316؛ تفہیمات الٰہیہ، جلد اول، ص 214-16۔
36. اسعد گیلانی، سید مودودی دعوت و تحریک، ص 54، اسلامک پبلشر لاہور، 1980ء۔
37. شامی مجیب الرحمن، ایک شخص ایک کاروان، ص 31-30، مکتبہ نشان راہ دہلی، 1992
38. پروفیسر محمد سلیم، سید ابو الاعلی مودودی، ص 11، فاران شریات لاہور۔
39. ایضا، ص 22-23
40. ایضا، ص 23
41. مودودی، سید ابو الاعلی، مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، ج 3، ص 5، دار السلام پٹھان کوٹ لاہور 1942ء۔
42. ایضا، ج 3، ص 353۔
43. ڈاکٹر فہیم الدین، سید مودودی (عہد جدید میں اسلامی تحریک کے امام)، ص 140
44. ڈاکٹر اوصاف احمد، مولانا مودودی کے معاشی افکار، ماہنامہ جسارت کراچی 26 نومبر 2012، ص 1
45. مودودی، مولانا سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ج 3، سورہ روم حاشیہ 57۔
46. مودودی، مولانا سید ابو الاعلی، انسان کا معاشی مسئلہ اور اسکا اسلامی حل، ص 40-43، مکتبہ جماعت اسلامی ہند 1953
47. P.K. Yaqoob. Case for interest free financial institutions in Kerala. Chapter 2. p. 29.